لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

یقیناً تمہارے لئے رسول ﷺ میں عمدہ نمونہ ہے۔ (سورہ احزاب:۲۱)

اظہار حق

﴿جمع وترتیب﴾

قاضی ابراھیم شریف

(صدر ضلعی جمعیت اہل حدیث، تھانہ)

ناشر

مدرسہ محمدیہ اہل حدیث مسجد

آکاش گنگا روڈ، رابوڑی، تھانہ، ممبئی

سلسلہ اشاعت:۶۰

اصل اسلام

اسلام میں تین باتیں ہیں

(۱) قرآن و حدیث کا صاف فیصلہ ہوتے ہوئے مسلمان کسی قول یا فتوے کی رعایت نہ رکھے۔

(۲) اگر کسی مسئلے میں قرآن و حدیث سے فیصلہ نہ ملے تو وہاں پہلے لوگوں (سلف صالحین) کے فیصلے کو اپنی رائے پر مقدم کرے۔

(۳) اگر خود قرآن و حدیث سے واقف نہ ہو تو بغیر التزام وتعین مذہب کے کسی سے مسئلہ قرآن و حدیث کا پوچھ لے۔

بس یہی اصل اسلام ہے، اور یہی رسول اللہ ﷺ اللہ کی طرف سے لے کر آئے تھے، اور اسی پر آپ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو چھوڑ کر (دنیا سے) رخصت ہوئے، اب جتنا کوئی اس روش سے ہٹے گا اتنا ہی حق سے دور ہوگا، اور جتنا ہی اس کے نزدیک اتنا ہی حق سے نزدیک ہوگا۔

(مولانا حافظ عبداللہ روپڑی۔۔۔۔ وفات ۲۰/اگست ۱۹۶۴ء)

Madrasa Muhammadiya Ahle Hadees Masjid
Near Sarswati School, Aakash Ganga Road,
Rabodi Thane-400601
Contact No. 9221337147

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقَدِّمَۃ

الحمد لله رب العالمين و الصلاة و السلام على رسوله الكريم وعلى من اتبع الهدى و الدين المتين ـــــــاما بعد !

اسلام دین فطرت ہے اور اس کی ساری تعلیمات انسانی طبیعت وفطرت کے عین مطابق ہے، اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر فرمایا ہے: ﴿**فطرت الله التى فطر الناس عليها**﴾ (الروم: ۳۰) یہی اللہ کی وہ فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اور محسن انسانیت محمد عربی ﷺ نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

”مامن مولود الا يولد على الفطرة فابواه يهودانه او ينصرانه او يمجسانه“ (بخاری: ۴۷۷۵)

یعنی ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے ، پھر اس کے والدین اسکو یہودی یا نصرانی یا مجوسی (تربیت کر کے) بنا دیتے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ انسان کو اگر اس کی فطرت کے ساتھ آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ فطرت الٰہی کا انکاری نہیں اقراری ہوگا اور اسکا طبعی مذہب اسلام ہوگا۔ جسکو طبیعت خود بخود قبول کر لے گی کیونکہ اسلام فطرت کی آواز کا نام ہے، لیکن اگر اسکو خواہش نفسانی کی اتباع پر دبا دیا جائے یا اس پر قومیت یا عصبیت کی دبیز چادر ڈال دی جائے تو حق کی آواز یعنی فطرت کی آواز دب جائے گی۔ اور باطل کو سرخروئی حاصل ہو جائے گی اور وہ غالب ہو جائے گا، اسی کا نام شیطان کی پیروی ہے، جس سے اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا ہے۔

زیر نظر کتاب ”**اظہار حق**“ درحقیقت فطرت کی آواز کا نام ہے جس میں ان تمام مسائل پر دلائل کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے جو انسانی روزمرہ کی زندگی میں پیش آتے ہیں اور جس کا عوام وخواص ہر ایک سامنا کرتا ہے چاہے وہ عقیدۂ وایمان کا مسئلہ ہو یا پھر چاہے عبادت وریاضت کا مسئلہ ہو یا اس کا تعلق احکام الٰہی کی پابندی اور سنت نبوی کی اقتداء سے ہو غرض یہ کہ کتاب بہت سارے اہم مسائل پر مشتمل ہے جو خاص وعام ہر ایک کے لئے مفید ہے ۔

قاضی ابراہیم حفظہ اللہ کا یہ عمل قابل ستائش ہے جنہوں نے بڑی عرق ریزی اور نہایت ہی جد وجہد کے ساتھ عوام وخواص کے استفادہ کے لئے اہم موضوعات کو قلمبند کیا ہے، وہ ایک غیور ،متدین اور فعال انسان ہیں وہ حق کو حق اور باطل کو باطل کہنے کی ہمت وجرأت نیز اپنے موقف کی وضاحت کی بدرجہ اتم صلاحیت وملکہ رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ ہمیشہ منہج سلف کی نشر واشاعت کیلئے کوشاں رہتے ہیں۔ اللہ ان کی محنتوں کو قبول فرمائے۔ (آمین)

مدرسہ ومسجد محمدیہ اہل حدیث ٹرسٹ ایک دینی تربیت گاہ ہے اور مسلک حق کی ترجمانی کا ایک دینی مرکز ہے، جہاں سے دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیا جاتا اور نوجوانان اسلام کی صحیح رہنمائی کا اہتمام کیا جاتا ہے، نیز علماء اور دعاۃ کے ذریعہ عوام وخواص کی دینی وروحانی تربیت کا انتظام بھی کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ کتاب خاص وعام سب کے لئے مفید اور نفع بخش بنائے جو مؤلف اور معاونین کے لئے اخروی کامیابی کا ذریعہ ثابت ہو۔ (آمین)

اللهم أرنا الحق حقا و ارزقنا اتباعه و آرنا الباطل باطلا و ارزقنا اجتنابه وصلى الله على نبينا محمدو سلم كثيرا كثيرا ۔

فضیلۃ الشیخ محمد اختر فیضی

استاذ الحدیث، جامعہ اسلامیہ نور باغ کوسہ، ممبرا، تھانہ ۲۰۱۵/۱/۱ء

عقیدہ

ہم اس بات کی دل، زبان اور عمل سے گواہی دیتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ، اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں ہے۔ اللہ ہی حاکم اعلیٰ، قانون ساز، حاجت روا، مشکل کشا، اور فریاد رس ہے۔ ہم اس کی ساری صفات کو بلا کیف بلا تمثیل اور بلا تعطیل مانتے ہیں۔ وہ سات آسمانوں کے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے۔ کما یلیق بشانہ، اس کا علم اور قدرت کائنات کی ہر چیز کو محیط ہے۔ اور ہم اس بات کی دل، زبان اور عمل سے گواہی دیتے ہیں کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

آپ ﷺ خاتم النبین، امام کائنات، افضل البشر، ہادی برحق اور واجب الاتباع ہیں۔ آپ کی نبوت امامت و رسالت قیامت تک ہے۔ آپ کا قول، عمل و اقرار سب حجت ہے۔ آپ کی سچی پیروی میں دونوں جہانوں کی کامیابی کا یقین ہے اور آپ ﷺ کی نافرمانی میں دونوں جہانوں کی ناکامی اور تباہی کا یقین ہے۔ اعاذنا اللہ منہ

ہم قرآن اور صحیح حدیث کو حجت اور معیار حق مانتے ہیں۔ چونکہ قرآن و حدیث سے یہ ثابت ہے کہ امت مسلمہ گمراہی پر اکھٹی نہیں ہوسکتی الخ مثلاً المستدرک (۱/۱۱۶ ح ۳۹۹ عن ابن عباس) لہذا ہم اجماع امت کو حجت مانتے ہیں۔ یاد رہے کہ صحیح حدیث کے خلاف اجماع ہوتا ہی نہیں۔

ہم تمام صحابہ رضی اللہ عنھم کو عدول اور اپنا محبوب مانتے ہیں۔ تمام صحابہ کو حزب اللہ اور اپنا محبوب سمجھتے ہیں، ان کے ساتھ محبت کو جز ایمان سمجھتے ہیں۔ جو ان سے بغض رکھتا ہے ہم ان سے بغض رکھتے ہیں۔ ہم تابعین و تبع تابعین اور ائمہ مسلمین رحمھم اللہ سے محبت اور پیار کرتے ہیں اور جو شخص ان سے بغض رکھے ہم ان سے بغض رکھتے ہیں۔

توحید، رسالت محمدی ﷺ اور تقدیر پر ہمارا کامل ایمان ہے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر محمد ﷺ تک تمام انبیاء و رسل کی نبوتوں اور رسالتوں کا اقرار کرتے ہیں۔ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام سمجھتے ہیں۔ قرآن مجید مخلوق نہیں ہے ہم ایمان میں کمی و بیشی کے بھی قائل ہیں، یعنی ہمارے نزدیک ایمان زیادہ ہوتا ہے اور کم بھی ہوتا ہے۔ اہل سنت کے جو عقائد ہمارے علمائے سلف نے بیان کئے ہیں، ہمارا ان پر ایمان و یقین ہے۔

اصول

حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کا دار و مدار محدثین کرام پر ہے جس حدیث کی صحت یا راوی کی توثیق پر محدثین کا اتفاق ہے تو وہ حدیث یقیناً و حتماً صحیح ہے۔ اور اسی طرح جس حدیث کی تضعیف یا راوی کی جرح پر محدثین کا اتفاق ہے تو وہ حدیث یقیناً و حتماً ضعیف ہے۔ جس حدیث کی تصحیح و تضعیف اور راوی کی توثیق و تجریح میں محدثین کا اختلاف ہو (اور تطبیق و توفیق ممکن نہ ہو) تو ہمیشہ اور ہر حال میں ثقہ ماہر اہل فن مستند محدثین کی اکثریت کی تحقیق اور گواہی کو صحیح تسلیم کیا جائے گا۔ ان اصولوں کا مدنظر رکھتے ہوئے اس مختصر کتاب میں بعض اختلافی مسائل کے بارے میں صحیح تحقیق پیش خدمت ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں مسلم و مومن زندہ رکھے اور اسلام و ایمان پر ہی موت دے۔ آمین

محدثین کا مسلک

کسی نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے پوچھا کہ کیا بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابو داود الطیالسی، الدارمی، البزار، الدارقطنی، البیھقی، ابن خزیمہ اور ابویعلی موصلی رحمہم اللہ مجتہدین میں سے تھے یا کسی امام کے مقلد تھے؟

تو انہوں نے الحمد للہ رب العالمین کہتے ہوئے جواب دیا:

”أَمَّا الْبُخَارِیُّ، وَأَبُو دَاوُد فَإِمَامَانِ فِی الْفِقْهِ مِنْ أَهْلِ الِاجْتِهَادِ .وَأَمَّا مُسْلِمٌ؛ وَالتِّرْمِذِی؛ وَالنَّسَائِی؛ وَابْنُ مَاجَه؛ وَابْنُ خُزَیْمَةَ؛ وَأَبُو یَعْلَی؛ وَالْبَزَّارُ؛ وَنَحْوُهُمْ؛ فَهُمْ عَلَی مَذْهَبِ أَهْلِ الْحَدِیثِ لَیْسُوا مُقَلِّدِینَ لِوَاحِدٍ بِعَیْنِهِ مِنْ الْعُلَمَاءِ----------وَهَؤُلَاءِ كُلُّهُمْ یُعَظِّمُونَ السُّنَّةَ وَالْحَدِیثَ الخ “

امام بخاری اور امام ابوداود، دونوں فقہ میں مجتہد (مطلق) ہیں۔ امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام ابن خزیمہ امام ابویعلی اور امام بزار اہل الحدیث کے مذہب پر تھے۔ کسی ایک عالم کے (بھی) مقلد نہیں تھے اور یہ سب سنت وحدیث کی تعظیم وتکریم کرتے تھے۔ الخ (مجموع فتاوی: ج۲۰ص۴۰)

امام بیھقی نے تقلید کے خلاف اپنی مشہور کتاب السنن الکبریٰ میں باب باندھا ہے۔ (ج۱۰ص۱۱۳) لہذا محدثین کو خواہ مخواہ دروغ گوئی کرتے ہوئے اور اپنے نمبر بڑھانے کے لئے مقلدین میں شمار کرنا غلط ہے۔ یاد رہے کہ اہل الحدیث سے مراد محدثین بھی ہیں اور ان کے پیروکار بھی۔ (فتاوی ابن تیمیہ: ج۴ص۹۵)

اہل حدیث کا یہ بہت بڑا اشرف ہے کہ ان کے امام اعظم صرف نبی ﷺ ہیں

(تفسیر ابن کثیر: ج۳ص۵۲، بنی اسرائیل:۷۱) نیز دیکھئے (تفسیر ابن کثیر: ج۱ص۳۷۸، آل عمران:۸۱، ۸۲)

اہل الحدیث کی فضیلت

یہ بالکل درست ہے کہ قرآن کریم نے امت محمدیہ کو مسلم کا لقب دیا ہے لیکن اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ مسلمانوں کی ایک خاص جماعت جس کو حدیث رسول ﷺ سے علمی وعملی شغف رہا، وہ جماعت اپنے آپ کو لقب اہل حدیث سے ملقب کرتی رہی ہے (خاتمہ اختلاف: ص۱۰۷، ۱۰۸) مسلمانوں کے لئے اہل سنت اور اہل حدیث وغیرہ، القاب بے شمار ائمہ مسلمین مثلاً محمد بن سیرین، ابن المدینی، امام بخاری، احمد بن سنان، ابن المبارک، ترمذی وغیرھم سے ثابت ہے اور کسی ایک مستند امام یا عالم سے اس کا انکار مروی نہیں ہے لہذا ان القاب کے صحیح ہونے پر اجماع ہے۔ تمام مستند علماء نے طائفہ منصورہ والی حدیث کا مصداق اہل الحدیث واصحاب الحدیث کو قرار دیا ہے۔

(دیکھئے سنن ترمذی: ج۴ص۵۰۵ ط بیروت ح۲۲۲۹)

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لا تزال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق ظاهرین الی یوم القیامة “

میری امت کا ایک طائفہ (گروہ) ہمیشہ، قیامت تک، حق پر قتال کرتا رہے گا (اور غالب رہے گا۔)

(مسالۃ الاحتجاج بالشافعی للخطیب: ص۴۷ وسندہ حسن ولہ شاھد صحیح فی صحیح مسلم: ۱۹۲۳)

اس حدیث کے بارے میں امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”یعنی اصحاب الحدیث“ یعنی اس سے مراد اہل الحدیث ہیں۔

(مسالۃ الاحتجاج بالشافعی ص۳۵، وسندہ صحیح)

یہ دونوں اصحاب الحدیث اور اہل الحدیث نام ایک ہی جماعت کے صفاتی نام ہیں۔

امام احمد بن سنان الواسطی (متوفی ۲۵۹ھ) فرماتے ہیں:

” لیس فی الدنیا مبتدع الاو هو یبغض اهل الحدیث ، و اذا ابتدع الرجل نزع حلاوة الحدیث من قلبه“

دنیا میں جو بھی بدعتی ہے وہ اہل حدیث سے بغض رکھتا ہے اور آدمی جب بدعتی ہو جاتا ہے تو حدیث کی مٹھاس اس کے دل سے نکل جاتی ہے۔ (معرفۃ علوم الحدیث للحاکم: ص۴ و اسنادہ صحیح)

اہل الحدیث کے فضائل کے لئے خطیب بغدادی کی شرف اصحاب الحدیث، ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ اور عبدالحئ لکھنوی امام الکلام (ص ۲۱۶) وغیرہ کا مطالعہ فرمائیں۔

صحیحین کا مقام

اس پر امت کا اجماع ہے کہ صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) کی تمام مسند متصل مرفوع احادیث صحیح اور قطعی الصحت ہیں۔

(مقدمہ ابن الصلاح: ص ۴۱، اختصار علوم الحدیث لابن کثیر: ص ۳۵)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

”صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بارے میں تمام محدثین متفق ہیں۔ کہ ان کی تمام متصل اور مرفوع احادیث یقیناً صحیح ہے۔ یہ دونوں کتابیں اپنے مصنفین تک بالتواتر پہنچی ہیں۔ جو ان کی عظمت نہ کرے وہ بدعتی ہے جو مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے۔

(حجۃ اللہ البالغہ: ص ۲۴۲ مترجم عبدالحق حقانی)

تقلید

جو شخص نبی نہیں ہے اس کی بات کو بغیر دلیل کے ماننے کو تقلید کہتے ہیں دیکھئے (مسلم الثبوت: ص ۲۸۹) اس تعریف پر امت مسلمہ کا اجماع ہے (الاحکام لابن حزم: ص ۸۳۶) لغت کی کتاب ”القاموس الوحید“ میں تقلید کا درج ذیل مفہوم لکھا ہوا ہے: ”بے سوچے سمجھے یا بے دلیل پیروی، نقل سپردگی“ ”بلا دلیل پیروی، آنکھ بند کر کے کسی کے پیچھے چلنا، کسی کی نقل اتارنا جیسے“ قلد القرد الانسان “(ص ۱۳۴۶)
نیز دیکھئے المعجم الوسیط (ص ۷۵۴)

جناب مفتی احمد یار نعیمی بدایونی بریلوی نے غزالی سے نقل کیا ہے کہ:

” التقلید هو قبول قول بلا حجة “(جاء الحق ج ۱ ص ۱۵ طبع قدیم)

مولانا اشرف علی تھانوی سے پوچھا گیا کہ: تقلید کیا ہے اور تقلید کس کو کہتے ہیں؟“ تو انہوں نے فرمایا: ”تقلید کہتے ہیں امتی کا قول ماننا بلا دلیل“ عرض کیا گیا کہ کیا اللہ اور رسول ﷺ کے قول کو ماننا بھی تقلید کہلائے گا؟ فرمایا: ”اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کا حکم ماننا تقلید نہ کہلائے گا وہ اتباع کہلاتا ہے“ (الافاضات الیومیہ / ملفوظات حکیم الامت ۱۵۹/۳ ملفوظ ۲۲۸) یاد رہے اصول فقہ میں لکھا ہوا ہے کہ: قرآن ماننا، رسول ﷺ کی حدیث ماننا، اجماع ماننا، گواہوں پر فیصلہ کرنا، عوام کا علماء کی طرف رجوع کرنا (اور مسئلہ پوچھ کر عمل کرنا) تقلید نہیں ہے۔ (دیکھئے مسلم الثبوت: ص ۲۸۹ و التقریر والتحبیر: ۴۵۳/۳)

محمد عبیداللہ الاسعدی دیوبندی تقلید کے اصطلاحی مفہوم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: ”کسی کی بات کو بلا دلیل مان لینا تقلید کی اصل حقیت یہی ہے۔ (اصول الفقہ ص ۲۶۷)

احمد یار نعیمی صاحب لکھتے ہیں کہ: ”اس تعریف سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنے کو تقلید نہیں کہہ سکتے کیونکہ ان کا ہر قول و فعل دلیل شرعی ہے۔

*)"

. 1

" .!

3 '

' '

$ 1! $ $ $1!

+

#" #) 0./!

1!

!

6,# :4#C. B! !%

+

B

C" . .1 ' #)" 1A@ ;< ,

"/ 1

/!

-

0 # / 1! 1!

!%

' 2

0 1!

'

1 00 1! # 1!

3#.

" / "1 ;< =3) %%

) (

" 0 " # 01! # "1 / 1!

" >2 $1!

* $?

$ + 7

(ارواء الغلیل: ج ۳ ص ۱۱۳)

امام ابن المنذ راور امام بیھقی نے تکبیرات عیدین میں رفع یدین کے مسئلے پر اس حدیث سے حجت پکڑی ہے۔ (التلخیص الحبیر: ج ۲ ص ۸۶) اور یہ استدلال صحیح ہے، کیونکہ عموم سے استدلال کرنا بالاتفاق صحیح ہے۔ جو شخص رفع یدین کا منکر ہے وہ اس عام دلیل کے مقابلے میں خاص دلیل پیش کرے۔ یاد رہے کہ تکبیرات عیدین میں عدم رفع یدین والی ایک دلیل بھی پورے ذخیرہ حدیث میں نہیں ہے۔

نومولود کے کان میں اذان کہنا

(۱) عن حسین بن علی قال: قال رسول اللہ ﷺ من ولد له مولود فاذن فی اذنه الیمنی و اقام فی اذنه الیسری لم تضره ام الصبیان ۔

ترجمہ: جس کے یہاں کسی بچہ کی ولادت ہوئی اور اس نے اس بچہ کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی تو اس بچہ کو ام الصبیان، جنیہ، ٹھسی، الو ہوا کوئی بھی بیماری نقصان نہیں پہونچا سکتی ہے۔ اس کی تخریج امام وغیرہ نے یحییٰ بن العلاء الرازی عن مروان بن سالم عن طلحہ بن عبداللہ العقیلی عن الحسن کے طریق سے کی ہے۔

اس میں مندرجہ ذیل علتیں ہیں:

(۱) یحییٰ بن العلاء البجلی ابو یقال ابو عمرو الرازی رحمہ اللہ کذاب ووضاع ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہا ہے کذاب، یضع الحدیث

(تہذیب التہذیب: ۲۹۹/۱۱، ۲۳، میزان الاعتدال: ۲۹۸/۴)۔

---

(۲) مروان بن سالم ابو عبداللہ الشافعی الجزری الغفاری متروک ہیں۔ امام بخاری و مسلم رحمھما اللہ نے منکر الحدیث فرمایا ہے۔ (تہذیب التہذیب: ۸۴/۱۰۔۸۵، میزان الاعتدال: ۹۰/۴) امام رحمہ اللہ (شعب الایمان) نے اس کی سند کو ضعیف اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے موضوع گردانا ہے۔ (الارواء: ۴۰۰/۴، سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ: ۴۹۳/۱، ضعیف الجامع: ۵۸۹۳)

نیز اصول اسی کے بھی متقاضی ہیں۔

(۲) ابو رافع مولیٰ رسول اللہ ﷺ کی حدیث جس کو ابوداؤد، ترمذی، اور عبدالرزاق نے "عن سفیان الثوری حدثنی عاصم بن عبید الله عن عبید الله بن رافع عن ابیه قال: رأیت رسول الله اذن فی اذن الحسن بن علی ولدته فاطمة بالصلوٰة" روایت کیا ہے۔

ترجمہ: ابو رافع نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب حسن بن علی کی والدہ نے ان کو جنم دیا، تو حسن بن علی کے کان میں نبی ﷺ نے اذان دی۔ اس میں ایک راوی ہیں عاصم بن عبید اللہ بن عمر بن الخطاب العدوی المدنی جو متفق علیہ ضعیف ہیں۔

(تہذیب التہذیب: ۴۲/۵۔۴۳، میزان الاعتدال: ۳۵۳/۲)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کو حسن صحیح کہا ہے جو غیر مناسب ہے۔ امام ابن تیمیہ اور امام ابن القیم رحمھما اللہ نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے، صاحب تحفہ رحمہ اللہ نے اس کو ضعیف گردانا ہے، شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ بھی اسے ضعیف ہی کہتے ہیں۔

(الکلم الطیب: ۱۶۲، تحفۃ المودود: ۱۶، الارواء: ۴۰۰/۴)۔

(۳) حدیث ابن عباس۔ اس کو امام رحمہ اللہ نے "عن محمد بن یونس نا الحسن بن

عمرو بن یوسف السدوسی ثنا القاسم بن مطیب عن منصور بن صفیه عن ابی معبد عن ابن عباس ان النبی ﷺ اذن فی اذن الحسن بن علی یوم ولد فاذن فی اذنه الیمنی و اقام فی اذنه الیسری ''روایت کیا ہے۔

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے جب حسن بن علی کی پیدائش ہوئی، تو ان کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی۔

۱۔ محمد بن یونس بن موسیٰ بن سلیمان ابوالعباس الکدیمی کذاب ہیں۔

(تھذیب التھذیب: ۹/۴۷۵۔۴۷۷، میزان الاعتدال: ۴۳۴۷۔۷۵)۔

۲۔ حسن بن عمرو سیف البصری السدوسی یہ بھی کذاب ہیں، جیسا کہ امام بخاری وغیرہ نے فرمایا ہے۔ (تھذیب التھذیب: ۲/۲۶۸، میزان الاعتدال: ۱/۵۱۶)

۳۔ القاسم بن مطیب العجلی البصری، امام ابن حبان رحمہ اللہ نے کہا ہے: ''کان یخطی کثیرا فا ستحق الترك '' کثرت خطا کی وجہ سے یہ متروک ٹھہرے۔

(تہذیب التھذیب: ۸/۲۰۳، میزان الاعتدال: ۳/۳۸۰)

یہ روایت بھی موضوع ہے، کیونکہ شاہد بننے سے عاری ہے، خود امام رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔

(۴) **حدیث عمر بن عبدالعزیز:** اس کو عبدالرزاق نے ''عن ابن ابی یحییٰ عن عبد الله بن ابی بکر ان عمر بن عبد العزیز کان اذا ولد له ولد اخذه کما هو فی خرقته فاذن فی اذنه الیمنی و اقام فی اذنه الیسری و سماه مکانه ''عبداللہ بن ابی بکر نے عمر بن عبدالعزیز سے روایت کیا ہے کہ جب ان کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا، تو اس کے دائیں کان میں اذان دیتے اور بائیں کان میں اقامت کہتے اور اسی وقت اس کا نام رکھتے۔

اسکے نقائص یہ ہیں:

(۱) ابن ابی یحیٰی: اسمہ ابراہیم بن محمد بن ابی یحیٰی الاسلمی المدنی رحمہ اللہ، یہ کذاب اور متروک ہیں۔ (تہذیب التہذیب: ۱/۱۳۷، میزان الاعتدال: ۱/۵۷)

(۲) عبداللہ بن ابی بکر بن زید بن مہاجر رحمہ اللہ: ۔علی بن المدینی رحمہ اللہ نے مجہول کہا ہے۔

(تہذیب التہذیب: ۵/۴۳، میزان الاعتدال: ۲/۳۹۸)

عمر بن عبدالعزیز کا یہ عمل موضوع ہے اور اس کو گڑھ کر ان کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

احتیاطی تدبیر:۔

ولادت کا وقت نومولود کے لئے بہت ہی پُرخطر، تکلیف دہ اور پریشان کُن ہوتا ہے، اس لئے کہ ایک طرف ایک نئی دنیا نظر میں ہوتی ہے اور دوسری طرف شیطان رجیم کے کچوکے لگانے کا سلسلہ ہوتا ہے، جس سے بچہ عاجز آ کر چیختا اور چلاتا ہے، اس پریشانی سے بچہ کو بچانے کے لئے کسی ایسے حربے کی ضرورت ہے جو شیطان رجیم کے لئے شہاب ثاقب کا کمال رکھتا ہو، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جب شیطان اذان سنتا ہے تو ہوا خارج کرتے ہوئے راہ فرار اختیار کرتا ہے اور اس وقت تک واپس نہیں آتا ہے جب تک اذان ختم نہ ہو جائے اس لئے احتیاطاً نومولود کے کان میں اذان دی جاسکتی ہے۔

(۱) یہ بات قطعی طور سے درست نہیں ہے کیونکہ حدیث میں اس اذان سے شیطان کے بھاگنے کا ذکر ہے جو نماز کے لئے کہی جاتی ہے'' اذا نودی للصلوة ادبر ا شیطان وله ضراط لا یسمع التاذین'' (بخاری: ۶۰۸) اور دیگر مواقع سے جو متعلق ہیں وہ ثابت نہیں ہیں۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ یہ تدبیر یہاں کارگر نہیں اس لئے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ان کی والدہ کے علاوہ شیطان سب کو کچوکہ لگاتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ نومولود کے کان میں اذان واقامت کے جواز میں جس طرح کے بھی نصوص ہیں، وہ سب کے سب ناقابل استدلال اور ناقابل حجت ہیں اس لئے اس عمل کو رواج دینا کسی بھی لحاظ سے درست اور صحیح نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سنتِ رسول کے عین مطابق زندگی گزارنے کی توفیق دے۔ (آمین)

تحنیک کا حکم

تحنیک کہتے ہیں: کھجور یا اس جیسی کوئی چیز چبا کر باریک اور ملائم کرلی جائے پھر اسے نومولود کے منہ کے اندرونی حصہ میں لگا دیا جائے۔

(دیکھئے: شرح النووی علی مسلم:۳/ ۱۹۴، فتح الباری لابن حجر:۹/ ۵۸۸)

تحنیک مسنون ومستحب ہے:

نومولود کی تحنیک سنت اور مستحب ہے، نبی کریم ﷺ کی متعدد احادیث میں تحنیک ثابت ہے:

۱۔ ”عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: وُلِدَ لِي غُلَامٌ، فَأَتَيْتُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمَّاهُ إِبْرَاهِيمَ، فَحَنَّكَهُ بِتَمْرَةٍ، وَدَعَا لَهُ بِالْبَرَكَةِ، وَدَفَعَهُ إِلَيَّ“

[صحیح البخاری، کتاب العقیقۃ، باب تسمیۃ المولود۔۔۔ وتحنیکہ:۷/ ۸۳، حدیث:۵۴۶۷]

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میرے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا تو میں اسے لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس کا نام ابراہیم رکھا، کھجور سے اس کی تحنیک فرمائی اور اس کے لئے برکت کی دعا کی پھر مجھے دے دیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں یہ وضاحت کی ہے کہ تحنیک سے بچے کے منہ کے اور رگیں مضبوط ہوتی ہیں اور ماں کے پستان سے بچے کے لئے دودھ چوسنا آسان ہوجاتا ہے۔

۲۔ ”أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: غَدَوْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، لِيُحَنِّكَهُ، فَوَافَيْتُهُ فِي يَدِهِ الْمِيسَمُ يَسِمُ إِبِلَ الصَّدَقَةِ“

[صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، :۲/ ۱۳۰، حدیث:۱۵۰۲، وصحیح مسلم:۳/ ۱۶۸۹، حدیث:۲۱۴۴]

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں عبداللہ بن ابی طلحہ کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ آپ اس کی تحنیک کردیں، تو میں نے دیکھا کہ آپ کے ہاتھ میں داغ لگانے کا آلہ تھا اور آپ زکوٰۃ کے اونٹوں پر نشان لگارہے تھے۔

۳۔ ”عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُؤْتَى بِالصِّبْيَانِ فَيُبَرِّكُ عَلَيْهِمْ وَيُحَنِّكُهُمْ، فَأُتِيَ بِصَبِيٍّ فَبَالَ عَلَيْهِ، فَدَعَا بِمَاءٍ، فَأَتْبَعَهُ بَوْلَهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ“

[صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب بول الطفل الرضیع وکیفیۃ غسلہ:۱/ ۲۳۷، حدیث:۲۸۶]

نبی کریم ﷺ کی زوجہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بچوں کو لایا جاتا تھا، آپ ان کے لئے برکت کی دعا فرماتے تھے اور ان کی تحنیک کرتے تھے، چنانچہ ایک بچہ لایا گیا جس نے آپ کے اوپر پیشاب کردیا، تو آپ نے پانی منگوایا اور اس کے پیشاب پر ڈال دیا اسے دھویا نہیں۔

امام نووی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں:

’’اتفق العلماء على استحباب تحنيك المولود عند ولادته بتمر فان تعذر فما فى معناه قريب منه من الحلو‘‘ (شرح النووی علی مسلم:۱۴/۱۲۲)

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بچے کی پیدائش کے وقت کھجور کے ذریعہ اس کی تحنیک مستحب ہے اگر کھجور نہ ملے تو اس کے ہم معنیٰ اور قریب کسی بھی میٹھی چیز سے۔

ایک دوسری جگہ حدیث سے مسئلہ کاا ط کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’ففيه استحباب تحنيك المولود‘‘

اس میں نومولود کی تحنیک کا ثبوت ہے۔ (شرح النووی علی مسلم:۳/۱۹۴)

صاحب عون المعبود علامہ عظیم آبادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’وفى الحديث دلالة على سنية تحنيك المولود‘‘

اس حدیث میں نومولود کی تحنیک کے سنت ہونے کی دلیل ہے۔ (عون المعبود حاشیۃ ابن القیم:۱۴/۸)

کیا تحنیک نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص تھا؟

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ تحنیک کا عمل نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص تھا، کیونکہ اس کا مقصد حصول برکت تھا، اور نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد کسی اور سے تبرک جائز نہیں،

لہذا اب کسی بچہ کی تحنیک نہیں کی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسی اور سے تحنیک کا عمل ثابت نہیں۔

چنانچہ پہلی شق پر گفتگو کرتے ہوئے علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اگر ہم یہ کہیں کہ تحنیک کا مقصد لعاب رسول سے تبرک تھا، تو کوئی کسی بچے کی تحنیک نہیں کرے گا، اور اگر یہ کہیں کہ تحنیک کا مقصد بچے کے معدہ میں سب سے پہلے کھجور پہو چانا ہے تو ہم کہیں

گے کہ ہر بچے کی تحنیک کی جائے گی۔ [شرح ریاض الصالحین:۱/ ۲٦۳]

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تحنیک نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ امت کے لئے عام ہے، کیونکہ تخصیص پر کوئی دلیل نہیں۔

چنانچہ عدم تخصیص کے سلسلہ میں لجنہ دائمہ کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

سوال: کیا کھجور یا میٹھی چیز کے ذریعہ اس دور میں بچوں کی تحنیک سنت ہے، جیسا کہ لوگ کرتے ہیں، یا نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص ہے؟

جواب: نبی کریم ﷺ کے فعل سے بعض صحابہ کے بچوں کی تحنیک ثابت ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کے امت کے لئے عام ہے، جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِى رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الاحزاب:۲۱]

یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے۔

[فتاوی اللجنۃ الدائمۃ:۱۰/۱۷۴،فتوی نمبر:۱۷۱۸۰]

رہا مسئلہ یہ کہ نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسی اور سے تحنیک کا عمل ثابت نہیں! واقع کے خلاف ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کے علاوہ سے اور اسی طرح عہد رسالت کے بعد سلف سے تحنیک کا عمل وارد ہے، چنانچہ ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ عبداللہ بن ابوطلحہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

’’يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ أُمَّ سُلَيمٍ وَلَدَتِ اللَّيْلَةَ، فَكَرِهَتُ أَنْ تُحَنِّكَهُ حَتَّى يُحَنِّكَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَمَعَكَ شَىْءٌ؟ "قُلْتُ :تَمَرَاتُ عَجْوَةٍ، فَأَخَذَ بَعْضَهُنَّ فَمَضَغَهُنَّ، ثُمَّ جَمَعَ بُزَاقَهُ فَأَوْجَرَهُ إِيَّاهُ، فَجَعَلَ يَتَلَمَّظُ، فَقَالَ:حُبُّ الْأَنْصَارِ التَّمْرَ‘‘

[مسند احمد طبعة الرسالة :۸۵/۱۹، حدیث: ۱۲۰۲۸، وقال المحققون: اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین]

میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسول ام سلیم نے آج شب بچہ جنا ہے، اور انہوں نے ناپسند کیا کہ خود اس کی تحنیک کرلیں، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اس کی تحنیک کریں، آپ نے فرمایا: کچھ لائے ہو؟ میں نے کہا: چند عجوہ کھجوریں، چنانچہ آپ نے کچھ لیکر اسے چبایا، پھر اپنا لعاب اکٹھا کیا اور بچہ کے منہ میں ڈال دیا، بچہ نگلنے کے لئے زبان ہلانے لگا، آپ نے فرمایا: کھجور انصاریوں کی پسند ہے۔

ملاحظہ فرمائیں کہ:

اس حدیث میں انس رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ (انہوں نے ناپسند کیا کہ خود اس کی تحنیک کرلیں، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اس کی تحنیک کریں) اس بات کی دلیل ہے کہ تحنیک سلف کے یہاں معروف تھا (یعنی نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص نہیں تھا)۔

۲۔ نیز امام حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”ولد الحسن فی خلافة عمر بن الخطاب واتی به الیه فدعا له و حنکه“

حسن بصری رحمہ اللہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت میں پیدا ہوئے انہیں ان کے پاس لایا گیا، چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے دعا کی اور ان کی تحنیک فرمائی۔

(دیکھئے: البدایة والنہایة لابن کثیر: ۹/ ۳۰۳)

۳۔ اور امام خلال نے روایت کیا ہے کہ: امام احمد کی لونڈی (ام ولد) بیان کرتی ہیں کہ جب مجھے دردزہ ہوا تو میرے آقا سو رہے تھے، میں نے ان سے کہا: اے آقا! میں تو مر جاؤں گی، انہوں نے کہا: اللہ آسان فرمائے۔ بیان کرتی ہیں کہ: ان کا یہ کہنا ہی تھا کہ ” اللہ آسانی فرمائے“

میں نے سعید کو جنم دیا، چنانچہ ولادت ہوگئی تو آپ نے فرمایا: وہ کھجوریں لاؤ، (ہمارے پاس مکہ کی کچھ کھجوریں تھیں) تو میں نے ام علی سے کہا: اس کھجور کو چباؤ اور اس بچہ کی تحنیک کرو، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ [دیکھئے: تحفة المودود باحکام المولود، ص: ۳۳]

معلوم ہوا کہ تحنیک رسول اللہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ امت کے لئے عام ہے۔

واضح رہے کہ اگر بالفرض نبی کریم ﷺ کا صحابہ کے بچوں کی تحنیک کرنا آپ ﷺ کے لعاب دہن سے حصول برکت پر محمول کیا جائے تو آپ کے لعاب مبارک سے حصول برکت آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہوگا، مطلق تحنیک کا عمل نہیں۔

علامہ عبدالمحسن بن حمد العباد حفظہ اللہ سنن ابو داؤد کی شرح کرتے ہوئے تحنیک کی تخصیص کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں کہتے ہیں:

سوال: کیا تحنیک مشروع؟ اس کے لئے آپ کا کیا جواب ہوگا جو یہ کہے کہ تحنیک کا مقصد تبرک ہے لہذا یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے دوسروں کے لئے جائز نہیں؟

جواب: تحنیک جائز ہے کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ختم ہوگئی یا عہد رسالت کے بعد اس کا وجود نہ ہو البتہ جو چیز ختم ہوئی ہے وہ تبرک ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی سے اس کے لعاب سے تبرک کے لئے تحنیک نہیں کروائی جائے گی۔ [شرح سنن ابی داؤد للعباد: ۹۲]

کیونکہ نبی کریم ﷺ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم میں افضل ترین خلفائے راشدین ابوبکر، عمر، عثمان، اور علی رضی اللہ عنہم تھے، لیکن لوگوں کا ان کے پاس تبرک کے لئے جانا یا تحنیک کروانا ثابت نہیں، کیونکہ ان میں برکت نہیں ہے۔

لہذا مولود کا باپ، ماں، بھائی، بہن، دادی، دادا، نانی، نانا وغیرہ جو بھی تحنیک کردیں کوئی حرج

نہیں۔ البتہ کسی کے پاس بغرض تبرک بچہ کی تحنیک کے لئے لے جانا درست نہیں، کیونکہ تبرک رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہے۔ [شرح سنن ابی داوٗد للعباد: ۴۹۵۱]

خلاصۂ کلام: اینکہ تحنیک امت کے لئے مشروع اور مسنون ہے، البتہ تبرک کی غرض سے کسی بزرگ وغیرہ کے پاس تحنیک کروانے کیلئے جانا جائز نہیں، کیونکہ تبرک نبی کریم ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔ واللہ اعلم۔

نماز جنازہ کا طریقہ

نماز جنازہ کے لئے صفیں طاق ہونا ضروری نہیں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آج حبش کا ایک آدمی فوت ہوگیا ہے، اس لئے آؤ اس کی نماز جنازہ پڑھیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ''فصففنا فصلی النبی ﷺ و نحن صفوف'' پھر ہم نے صفیں بنائیں اور نبی ﷺ نے نماز پڑھائی اور ہم کئی صفوں میں تھے۔

(بخاری، کتاب الجنائز، باب الصفوف علی الجنازہ، ح: ۱۳۲۰)

صحیح مسلم کی ایک روایت میں دو صفوں کی تعین بھی موجود ہے ''فقمنا فصفنا صفین'' پھر ہم کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ نے ہماری دو صفیں بنائیں۔

(مسلم، کتاب الجنائز، باب التکبیر علی الجنازہ، ح: ۹۵۲)

بعض حضرات نماز جنازہ میں تین صفوں کو سنت سمجھتے ہیں اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث (انی کبیر: ۷۷۸۵) سے استدلال کرتے ہیں، لیکن یہ روایت صحیح نہیں۔ امام ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں ابن لھیعہ ہے اور اس میں کلام ہے۔ (مجمع الزوائد: ۴۳۲/۳)

نماز جنازہ میں تکبیرات:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نجاشی کا جنازہ پڑھایا ''فکبر علیہ اربعا'' تو اس پر چار تکبیریں کہیں۔ (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب التکبیر علی الجنازۃ اربعا، ح: ۱۳۳۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ'' ان رسول اللہ ﷺ علی قبر بعد ما دفن فکبر علیہ اربعا' 'رسول اللہ ﷺ نے ایک قبر پر میت کی تدفین کے بعد نماز جنازہ پڑھی اور اس پر چار تکبریں کہیں۔ (صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب الصلاۃ علی القبر، ح: ۹۵۴)

اس سے بھی زائد تکبیرات کا نبی کریم ﷺ سے ثبوت ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب الصلاۃ علی القبر، ح: ۹۵۷)

پہلی تکبیر: پہلی تکبیر میں سورہ فاتحہ اور کوئی سورت سراً و جہراً پڑھنا سنت سے ثابت ہے

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نمازہ جنازہ پڑھائی تو ہم نے آپ کی (جنازے میں پڑھی ہوئے) دعا یاد کر لی۔

(صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب الدعاء للمیت فی الصلاۃ، ح: ۹۶۳)

طلحہ بن عبداللہ بن عوف سے مروی ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ کے پیچھے ایک جنازے پر نماز پڑھی انہوں نے سورہ فاتحہ کی قراءت کی اور کہا (یہ جہراً اس لئے پڑھی ہے) تا کہ علم ہو جائے کہ یہ سنت ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب قراءۃ فاتحۃ الکتاب علی الجنازۃ، ح: ۱۳۳۵)

نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ قطعا ثابت نہیں ہے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز جنازہ

ہوجاتی ہے، یا انہوں نے سورہ فاتحہ کے بغیر نماز جنازہ پڑھی ہو۔

دوسری تکبیر: دوسری تکبیر میں درود ابراہیمی (جو حالت نماز میں پڑھا جاتا ہے) جو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور درود پڑھنا ثابت نہیں۔

ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”السُّنَّةُ فِی الصَّلَاةِ عَلَی الْجَنَائِزِ أَنْ یُکَبِّرَ، ثُمَّ یَقْرَأَ بِأُمِّ الْقُرْآنِ، ثُمَّ یُصَلِّیَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ یُخْلِصَ الدُّعَاءَ لِلْمَیِّتِ، وَلَا یَقْرَأَ إِلَّا فِی التَّکْبِیرَةِ الْأُولَی،“

نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ تم تکبیر کہو پھر سورہ فاتحہ پڑھو پھر نبی کریم ﷺ پر درود پڑھو۔ پھر خاص طور پر میت کے لئے دعا کرو، قرات صرف پہلی تکبیر میں کرو۔

(منتقی ابن الجارود: ص ۱۸۹ ح ۵۴۰، مصنف عبدالرزاق: ۴۸۸/۳، ۴۸۹، ح ۶۴۲۸) اس کی سند صحیح ہے

(ارواء الغلیل: ج۳ ص۱۸۱)

تیسری تکبیر: تیسری تکبیر کے بعد دعا پڑھے: ”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا، وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا، وَصَغِیرِنَا وَکَبِیرِنَا، وَذَکَرِنَا وَأُنْثَانَا اللَّهُمَّ مَنْ أَحْیَیْتَهُ مِنَّا فَأَحْیِهِ عَلَی الإِسْلَامِ، وَمَنْ تَوَفَّیْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَی الإِیمَانِ“

(سنن ترمذی، ۱۰۲۴، صحیح)

چوتھی تکبیر: چوتھی تکبیر کے بعد دونوں جانب عام نمازوں کی طرح سلام پھیرا جائے۔

[حسن، (بیہقی: ۴۳/۴)]

اور ایک جانب سلام پھیرنا بھی کافی ہے۔ (حسن، بیہقی: ۴۳/۴)

اور سلام پھیرنے کے بعد اجتماعی دعا سنت سے ثابت نہیں۔

نماز جنازہ میں رفع یدین

جنازہ میں ہر تکبیر پر رفع یدین سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے۔

(جزء رفع الیدین للبخاری: ح۱۱۱ مصنف ابن ابی :۲۹۸/۳ ح۱۱۳۸۸ واسنادہ صحیح)

مکحول تابعی جنازے میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔

(جزء رفع الیدین للبخاری: ح۱۱۱۶، وسندہ حسن)

امام زہری جنازے میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔

(جزء رفع الیدین للبخاری: ح۱۱۸، وسندہ صحیح)

قیس بن ابی حازم (تابعی) جنازے میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔

(دیکھئے جزء رفع الیدین للبخاری: ح۱۱۲، وسندہ حسن، مصنف ابن ابی :۲۹۶/۳ ح۱۱۳۸۵)

نافع بن جبیر جنازے میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔

(جزء رفع الیدین للبخاری: ح ۱۱۴، وسندہ حسن) حسن بصری جنازے میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔ (جزء رفع الیدین للبخاری: ح۱۲۲، وسندہ حسن)

درج ذیل علماء سلف صالحین بھی جنازے میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کے قائل وفاعل تھے۔

عطاء بن ابی رباح (مصنف عبدالرزاق: ۴۶۸/۳ ح ۶۳۵۸، وسندہ قوی) عبدالرزاق (مصنف: ح۶۳۴۷) محمد بن سیرین (مصنف ابن ابی :۲۹۷/۳ ح۱۱۳۸۹، وسندہ صحیح) معلوم ہوا کہ جمہور سلف صالحین کا یہ مسلک ہے کہ جنازے کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کیا جائے، جیسا کہ باحوالہ گزر چکا ہے اور یہی مسلک راجح وصواب ہے، والحمدللہ۔

قیام رمضان (تراویح)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ رمضان کی ایک رات مسجد میں نماز (تراویح) پڑھی اور لوگوں نے بھی آپ کے پیچھے نماز پڑھی، پھر دوسری رات بھی آپ نے نماز پڑھی تو مقتدی زیادہ ہو گئے، پھر تیسری یا چوتھی روز لوگ جمع ہوئے لیکن آپ (نماز کے لئے) باہر نہ آئے صبح کو فرمایا: ''قَدْ رَأَيْتُ الَّذِي صَنَعْتُمْ وَلَمْ يَمْنَعْنِي مِنَ الْخُرُوجِ إِلَيْكُمْ إِلَّا أَنِّي خَشِيتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ''

[بخاری کتاب التهجد، باب تحریض النبی ﷺ علی قیام اللیل والنوافل من غیر ایجاب: ۱۱۲۹۔ مسلم: ۷۶۱]

میں نے دیکھا جو تم نے کیا اور میں محض اس ڈر سے باہر نہیں آیا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے۔

تراویح تنہا ادا کرنے کی بنسبت با جماعت ادا کرنا افضل ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے محض فرض ہو جانے کے خوف سے جماعت ترک کی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جماعت کا اہتمام کروایا اور آپ ﷺ کا فرمان بھی ہے: ''جو شخص امام کے ساتھ قیام رمضان کرتا ہے اس کے لئے پوری رات کا قیام لکھ دیا جاتا ہے۔ [ابو داود: کتاب شهر رمضان، باب فی قیام شهر رمضان: ۱۳۷۵، ابن حبان: ۲۵۴۷، مسند احمد: ۱۵۹/۵، ۱۶۰، ح: ۲۱۴۷۶، صحیح]

تراویح کی رکعات:

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم ہمیشہ آٹھ رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے، ان میں سے کسی نے بھی نماز تراویح آٹھ رکعات سے زیادہ کبھی نہیں پڑھی، بعض لوگوں نے بھی اس مسئلہ کو اختلافی بنا دیا ہے، حالانکہ یہ مسئلہ احادیث میں بالکل واضح ہے۔

پہلی حدیث:

ابو بن عبد الرحمٰن نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ کی رمضان میں نماز کیسے ہوتی تھی؟ تو انہوں نے فرمایا: ''آپ ﷺ رمضان اور اس کے علاوہ دنوں میں (تراویح اور وتروں سمیت) گیارہ رکعت سے زیادہ کبھی نہیں پڑھتے تھے۔''

[بخاری، کتاب صلاة التراویح، باب فضل من قام رمضان: ۲۰۱۳، ۱۱۴۷، مسلم: ۷۳۸]

اشکال اور اس کا ازالہ:

یہ حدیث بالکل واضح ہے، بیس رکعات تراویح کے قائلین کے لئے اس کا انکار مشکل تھا، لہذا انھوں نے ایک اشکال پیدا کر دیا کہ اس حدیث میں رمضان غیر رمضان میں برابر پڑھی جانے والی نماز کا ذکر ہے اور وہ تہجد ہے، لہذا اس حدیث میں تہجد کی رکعات بتلائی گئی ہیں، تراویح کی نہیں۔

اس کا جواب اسی حدیث میں موجود ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ ابو رحمہ اللہ نے رمضان میں پڑھی جانے والی نماز کے متعلق سوال پوچھا تھا اور وہ تراویح کی نماز ہے۔ اس سے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی اور انھوں نے تراویح کو الگ اور مستقل نماز لیا۔

جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ تراویح اور تہجد ایک ہی نماز کے دو نام ہیں، اللہ تعالی نے فرمایا: اے کپڑے میں لپٹنے والے! رات کو قیام کیجئے مگر تھوڑا، رات کا حصہ، یا اس سے کچھ کم یا اس سے کچھ زیادہ کیجئے۔ [المزمل: ۱ تا ۴]

ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کو قیام اللیل کا حکم دیا گیا ہے اس میں سال کی تمام راتیں شامل ہیں، خواہ رمضان ہو یا غیر رمضان اور یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں ایک ہی نماز پڑھتے تھے، رمضان کی راتوں میں آپ ﷺ تراویح کے علاوہ کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے۔

دیوبندی عالم انورشاہ ی لکھتے ہیں: ''جن راتوں میں رسول اللہ ﷺ نے نماز تراویح پڑھائی ان راتوں میں تہجد کی نماز نہیں پڑھی۔'' [فیض الباری:۴۲۰/۲۔عرف الشذی:۳۲۹]

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں رمضان کی تیئیسویں کو تہائی رات تک قیام کرایا اور پچیسویں کو آدھی رات تک اور ستا یں کو اس وقت تک تراویح پڑھائی کہ سحری فوت ہونے کا ڈر پیدا ہو گیا''۔

[ابوداود: کتاب الصلاۃ، باب فی قیام شہر رمضان:۱۳۷۵۔ترمذی:۸۰۶۔نسائی:۱۳۶۵۔ابن ماجہ:۱۳۲۷۔صحیح]

رسول اللہ ﷺ نے ایک نماز کو عشاء کے بعد صبح سحری تک پڑھایا لہذا ثابت ہوا کہ عشاء کے بعد سے آخر رات تک ایک ہی نماز ہے۔

دیوبندی عالم انورشاہ ی لکھتے ہیں: عام طور پر حنفی علماء یہ کہتے ہیں کہ تراویح اور صلاۃ اللیل (تہجد) دو مختلف قسم کی نمازیں ہیں۔ لیکن میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ یہ دونوں نمازیں ایک ہیں ۔۔۔۔۔ صفات کے اختلاف کو نوعی اختلاف کی دلیل بنانا میرے نزدیک درست نہیں۔ حقیقت میں یہ دونوں نمازیں ایک ہی ہیں۔ اول شب میں پڑھنے کی وجہ سے اس کا نام تراویح اور آخری شب میں ادا کرنے کی وجہ سے اس کا نام تہجد ہوا۔ [فیض الباری:۴۲۰/۲]

دیوبندی عالم رشید احمد گنگوھی لکھتے ہیں: اہل علم پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ قیام رمضان (تراویح) اور قیام اللیل (تہجد) فی الواقع دونوں ایک ہی نماز ہیں کہ جو رمضان میں مسلمانوں کے آسانی کے لئے اول شب میں مقرر کر دی گئی ہے، مگر اب بھی عزیمت اسی میں ہے کہ آخر شب میں ادا کی جائے۔ [لطائف قاسمیہ:۱۳۔۱۷ مکتوب سوم]

امام ابوحنیفہ کے شاگرد امام محمد رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کو ''موطا امام محمد'' میں

''باب قیام شهر رمضان'' کے تحت ذکر کیا ہے۔

دیوبندی عالم ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ فتح القدیر شرح ہدایہ (۲۰۵/۱) میں لکھتے ہیں: '' انه مخالف للحديث الصحيح عن ابى سلمة بن عبد الرحمن انه سال عائشة رضى الله عنها '' بیس رکعت والی روایت اس صحیح حدیث کے خلاف ہے، جس میں ہے کہ ابو نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا۔

صحیح بخاری (۲۶۹/۱ ح ۲۰۱۳) میں عائشہ رضی اللہ عنہا حدیث کی روشنی میں جناب انورشاہ ی دیوبندی فرماتے ہیں:

''ولا مناص من تسليم ان تراويحه عليه السلام كانت ثمانية ركعات ''

اس بات کے تسلیم کرنے سے کوئی چھٹکارا نہیں کہ آپ ﷺ کی تراویح آٹھ رکعات تھی۔

[العرف الشذی: ج۱ص۱۶۶]

اور مزید فرماتے ہیں: ''و اماالنبی ﷺ فصح عنه ثمان ركعات و اما عشرون ركعة فهو عنه عليه السلام بسند ضعيف وعلى ضعفه اتفاق ''

اور مگر نبی کریم ﷺ سے آٹھ رکعتیں صحیح ثابت ہیں، اور بیس رکعات والی جو حدیث آپ سے مروی ہے تو وہ ضعیف ہے اور اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔ (ایضا:ص۱۶۶)

ثابت ہوا کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں مذکور نماز سے مراد تراویح ہی ہے اور علمائے احناف بھی اسے تسلیم کرتے ہیں اور اس میں بیان کردہ رکعات نماز تراویح ہی کی ہیں۔

دوسری حدیث:

سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پوری زندگی میں تین راتیں تراویح کی جماعت

کروائی، ان تین راتوں کا واقعہ بیان کرتے ہوئے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ ہمیں رمضان میں آٹھ رکعات اور وتر پڑھاتے۔''

[ابن حبان: ۲۴۰۹۔ ابن خزیمہ: ۱/ ۴۵۳، ح: ۱۰۷۰۔ مسند ابی یعلی: ۱۸۰۲۔ المعجم الصغیر للطبرانی: ۲۵۲]

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں بیان کیا ہے، اور ابن حجر نے اس حدیث کو ''فتح الباری'' میں بیان کر کے سکوت فرمایا ہے، احناف کا یہ اصول ہے کہ ابن حجر کا سکوت فرمانا اس حدیث کے حسن ہونے کی علامت ہے۔ [دیکھئے اعلاء السنن کا مقدمہ]

اس کے علاوہ امام ذہبی نے اس کی سند کو بہترین جبکہ الا   اور البانی نے اسے حسن کہا ہے، حنفی علماء میں سے علامہ عینی حنفی نے ''عمدۃ القاری (۳/ ۵۹۷)'' میں علامہ زیلعی حنفی نے ''نصب الرایہ (۱/ ۲۹۳)'' میں ملا علی قاری حنفی نے ''مرقاۃ'' میں علامہ ابن ہمام حنفی نے فتح القدیر میں اور علامہ عبد الحئ حنفی لکھنوی نے ''تعلیق الممجد'' میں بیان کیا اور اسے قابل عمل قرار دیا ہے۔

تیسری حدیث:

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنھما فرماتے ہیں: سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور عرض کی: ''اللہ کے رسول ﷺ! آج رات (رمضان کی رات) مجھ سے ایک کام سرزد ہو گیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابی کون سا کام؟ عرض کرنے لگے: میرے گھر کی خواتین نے کہا کہ ہم قرآن نہیں پڑھ سکتیں، لہذا ہم آپ کے ساتھ نماز (تراویح) پڑھیں گی، تو میں نے انھیں آٹھ رکعات (تراویح) اور وتر پڑھائی۔ سیدنا جابر کہتے ہیں: گویا رسول اللہ ﷺ نے اسے پسند کیا اور کچھ نہیں کہا۔

[مسند ابی یعلی: ۱۸۰۱، والنسخۃ الاخریٰ: ۲/ ۱۹۷، ۱۹۸، ح: ۱۷۹۵۔ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے اسے حسن کہا ہے]

چوتھی حدیث:

سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعات (تراویح) پڑھایا کریں۔

[موطا امام مالک: کتاب الصلاۃ فی رمضان، باب ماجاء فی قیام رمضان: ۴۔ السنن الکبریٰ للبیھقی: ۲/ ۴۹۶، ح: ۴۶۱۶۔ مصنف ابن ابی   : ۲/ ۱۶۴، ح: ۷۶۷۰۔ شرح معانی الآثار للطحاوی: ۱۶۱۰]

یہ حدیث اس قدر صحیح ہے کہ علما کے مطابق اس حدیث پر کسی نے کلام نہیں کیا۔ اور امام بیھقی کتاب معرفۃ السنن والآثار جلد/ ۱ میں اسی روایت کو امام شافعی کی سند سے بیان کیا ہے۔

قال الشافعی اخبرنا مالك عن محمد بن یوسف عن السائب ابن یزید قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب وتمیم الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ۔

امام شافعی نے فرمایا ہم کو امام مالک نے خبر دی انھوں نے محمد بن یوسف سے روایت کی انھوں نے سائب بن یزید سے کہ سائب بن یزید نے فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ گیارہ رکعت لوگوں کو پڑھایا کریں۔

اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے، محمد بن یوسف، امام مالک رحمہ اللہ کے شیخ بالاتفاق ثقہ ہیں اور بخاری و مسلم نے ان کو قابل حجت مانا ہے اور سائب بن یزید صحابی ہیں انھوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ حج کیا، جب کہ وہ چھوٹے ہی تھے، امام مالک رحمہ اللہ ہی کی سند سے اس کی تخریج ابو بکر نیساپوری نے الفوائد (۱/۱۳۵) میں فریابی نے (۱/ ۷۶ـ ۲/ ۲۷۵) اور بیھقی نے سنن کبری (۱/ ۴۹۶) میں کی ہے۔ اسے امام ضیاء المقدسی نے صحیح کہا ہے۔

محمد بن علی النیموی اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: واسنادہ صحیح اور اس کی سند صحیح ہے۔ (آثار السنن: ح ۷۷۶)

اس حکم پر ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ نے عمل کر کے دکھایا تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنھم بھی گیارہ (رکعت) ہی پڑھتے تھے۔ (سنن سعید بن منصور بحوالہ الحاوی للسیوطی: ص ۳۴۹ ج ۲) اس عمل کی سند کو حافظ سیوطی ”بسند فی غایۃ الصحۃ“ بہت زیادہ صحیح سند کہتے ہیں۔ یاد رہے کہ عمر رضی اللہ عنہ بلحاظ حکم فعل بیس (۲۰) رکعات باسند صحیح قطعاً ثابت نہیں ہیں۔

ان احادیث مبارکہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ رسول اللہ ﷺ نے جو نماز تراویح پڑھی ہے اس کی تعداد صرف اور صرف گیارہ رکعات ہے، اس سے زیادہ ہرگز نہیں۔ نبی کریم ﷺ کا صرف گیارہ رکعتیں پڑھنا اس بات پر دلیل ہے کہ اس سے زیادہ پڑھنا جائز نہیں۔

اجماع امت:

بعض علماء کے حوالے سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بیس رکعات پر اجماع ہو چکا ہے۔ صحیح احادیث کے مقابلے میں اجماع ہو ہی نہیں سکتا۔ اجماع کا اصول ہی یہ ہے کہ جہاں کتاب وسنت سے کوئی دلیل نہ ملے وہاں اجماع کیا جاتا ہے جبکہ تراویح کی تعداد کے متعلق صحیح احادیث موجود ہیں، جیسا کہ ہم نے ذکر کی ہیں۔

رکعات تراویح کی تعداد علمائے احناف کی نظر میں

(۱) علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اگر آپ سوال کریں کہ رسول اللہ ﷺ نے جو نماز تراویح تین راتوں میں پڑھائی تھی اس میں تعداد کا ذکر نہیں میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے ہمیں رمضان میں وتر کے علاوہ آٹھ تراویح پڑھائی تھیں۔ [عمدۃ القاری: ۵۹۷/۳]

(۲) امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام محمد رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنھا کو موطا امام محمد میں ”باب قیام شهر رمضان“ کے تحت ذکر کیا ہے۔ اور اس کے آخر پر فرمایا: ہمارا ان تمام احادیث پر عمل ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ بیس رکعات کا ذکر تک نہیں کیا اور مولانا عبدالحئ حنفی لکھنوی نے ”تعلیق الممجد شرح موطا امام محمد“ میں اس حدیث کے بارے میں فرمایا: ”یہ حدیث بہت صحیح ہے۔

(۳) امام بن ہمام حنفی فرماتے ہیں: ان تمام دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ رمضان کا قیام (تراویح) سنت ہے، جو وتر سمیت گیارہ رکعات باجماعت رسول اللہ ﷺ کے عمل سے ثابت ہے۔ [فتح القدیر شرح الهدایہ]

(۴) علامہ ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں: دراصل تراویح جو رسول اللہ ﷺ نے پڑھی، وہ وتروں سمیت گیارہ رکعات ہی ثابت ہے۔ [مرقاۃ شرح مشکوۃ: ۱۷۵/۲]

(۵) علامہ عبدالحئ حنفی لکھنوی نے اپنی تین کتابوں میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے حوالے سے آٹھ رکعات تراویح ہی کو سنت قرار دیا ہے۔

[التعلیق الممجد علی موطا امام محمد: ۱۳۸۔ عمدۃ الرعایۃ علی شرح الوقایۃ: ۲۰۷/۱۔ تحفۃ الاخیار: ۲۸۔ حاشیۃ هدایۃ: ۱۵۱/۱]

(۶) علامہ انور شاہ ی اپنی تین کتابوں میں آٹھ رکعات تراویح کو سنت قرار دیتے ہیں، بلکہ بیس رکعات والی روایت کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں یہ بات تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے آٹھ رکعات تراویح پڑھی ہے۔ [العرف الشذی: ۳۰۹۔ فیض الباری: ۴۲۰/۱، کشف السر: ۲۷]

(۷) بانی دار العلوم دیوبند محمد قاسم نانوتوی نے لکھا ہے: جیسا کہ آج کل بیس رکعات تراویح کو سنت بتایا جارہا ہے یہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مبارک میں ان کے حکم کے بموجب سیدہ عائشہ کی حدیث پر عمل رہا جیسا کہ بخاری شریف میں موجود ہے، اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا رسول اللہ ﷺ کے حال سے خوب واقف تھیں۔ [فتح سر المنان فی تائید مذهب النعمان: ۳۲۷۔ الحق الصریح للقاسمی]

(۸) علامہ نجم الدین نے لکھا ہے: ہمارے مشائخ کے اصول کے مطابق آٹھ رکعات تراویح سنت ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے وتر سمیت گیارہ رکعات تراویح ہی ثابت ہے۔ [بحرالرائق: ۷۲/۲]

(۹) علامہ طحاوی ’’حاشیہ درالمختار (۲۵۹/۱) میں ابوالسعو د ’’شرح کنزالدقائق (۲۶۵)، اور مولانا

(۱۰) محمد حسن نانوتوی حاشیہ کنزالدقائق میں لکھتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے بیس تراویح نہیں پڑھیں بلکہ آٹھ رکعات پڑھی ہیں۔

(۱۱) شیخ عبدالحق دہلوی نے تین کتابوں میں لکھا ہے: صحیح یہی ہے کہ نبی ﷺ نے گیارہ رکعات تراویح پڑھی ہیں، جیسا کہ قیام اللیل میں ان کی عادت مبارکہ تھی۔

[ماثبت بالسنۃ: ۲۹۲۔ مدارج النبوۃ: ۴۶۵/۱۔ تفحات رشید بحوالہ مسک الختام: ۲۸۹/۱]

(۱۲) احمد علی سہارنپوری نے لکھا: صحیح حدیث کی رو سے وتر سمیت نماز تراویح کی صرف گیارہ رکعات ہی ثابت ہیں۔ [عین الھدایہ: ۵۶۲۔ حاشیہ بخاری شریف: ۱۵۴/۱]

(۱۳) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے عمل سے (تراویح کی) گیارہ رکعات ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ [مصفی شرح موطامع مسوی: ۱۷۷/۱]

(۱۴) محمد زکریا کاندھلوی (فضائل اعمال کے مصنف) نے لکھا ہے: محدثین کے اصول کے مطابق بیس رکعات تراویح کی تعداد نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں۔ [اوجز المسالک شرح موطا امام مالک: ۳۹۰/۱]

تبلغی جماعت کے بانی مولانا الیاس کاندھلوی کے فرزند

(۱۵) مولانا یوسف کاندھلوی (جماعت کے امیر) اپنی کتاب ’’حیاۃ الصحابہ‘‘ ج ۳ ص: ۱۷۳، پر تراویح کا مکمل باب باندھا ہے اور صرف گیارہ رکعت کی حدیث لائے ہیں۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ بیس رکعات کا کہیں نام ونشان نہیں۔

جمعہ کس کو حاصل ہوگا؟

جس شخص نے نماز جمعہ کی ایک رکعت مکمل پالی، اس نے جمعہ پالیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الْجُمُعَةِ رَكْعَةً فَلْيَصِلْ إِلَيْهَا أُخْرَى‘‘

[ابن ماجہ: باب ماجاء فیمن ادرک من الجمعۃ رکعۃ: ۱۱۲۱، ۱۱۲۳۔ الدارقطنی: ۱۳/۲، ح: ۱۵۹۰۔ صحیح]

جس نے نماز جمعہ کی ایک رکعت پالی (اس نے نماز جمعہ پالیا) لہذا اسے اس کے ساتھ دوسری رکعت ادا کر لینی چاہئے۔ جو کسی وجہ سے جمعہ ادا نہ کر سکے اسے ظہر کی مکمل نماز پڑھنی چاہئے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ’’اذا ادرکت رکعة فاضف الیها اخری‘‘

[مصنف ابن ابی شیبۃ: ۴۶۲/۱، ح: ۵۳۴۶، اسنادہ صحیح]

اگر تم جمعہ کی ایک رکعت پالو تو اس کے ساتھ دوسری رکعت ملالو۔

اور اگر کسی شخص کی دوسری رکعت بھی فوت ہوگئی اور وہ رکوع، سجدہ یا تشہد میں ملا تو اسے صحیح قول کے مطابق جمعہ کے بجائے ظہر کی چار رکعات ادا کرنی چاہئے۔

عورت کی امامت

پہلی صف کے وسط میں (دوسری عورتوں کے ساتھ برابر) کھڑی ہو کر عورت عورتوں کی امامت کرا سکتی ہے۔

حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ’’أَمَرَهَا أَنْ تَؤُمَّ أَهْلَ دَارِهَا‘‘

رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے گھر والوں کی امامت کرائیں۔

[ابوداود، الصلاۃ، باب امامۃ النساء ح: ۵۹۲۔ اسے ابن خزیمہ: ح ۱۶۷۶ نے صحیح کہا ہے]

حضرت ام رضی اللہ عنہا عورتوں کی امامت کراتی اور صف کے درمیان کھڑی ہوتی تھیں۔

[مصنف ابن ابی ۸۹/۲۔ امام ابن حزم نے اسے صحیح کہا ہے]

عورتوں اور مردوں کی نماز میں کوئی فرق نہیں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نماز اسی طرح پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے د ہو۔

یعنی ہو بہو میرے طریقے کے مطابق سب عورتیں اور سب مرد نماز پڑھیں۔ پھر اپنی طرف سے یہ حکم لگانا کہ عورتیں سینے پر ہاتھ باندھیں اور مرد زیر ناف اور عورتیں سجدہ کرتے وقت زمین پر کوئی ہئیت اختیار کریں اور مرد کوئی اور۔۔۔ یہ دین میں مداخلت ہے۔ یاد رکھیں کہ تکبیر تحریمہ سے شروع کر کے (السلام علیکم ورحمۃ اللہ) کہنے تک عورتوں اور مردوں کے لئے ایک ہئیت اور ایک ہی شکل کی نماز ہے۔ سب کا قیام، رکوع، قومہ، سجدہ، جلسۂ استراحت، قعدہ اور ہر ہر مقام پر پڑھنے کی دعائیں یکساں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مرد اور عورت کی نماز کے طریقہ میں کوئی فرق نہیں بتایا۔

[صحیح بخاری، الآذان للمسافرین اذا کانوا جماعۃ والاقامۃ، ح:۲۳۱]

عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جب تمہاری عورت مسجد کی طرف جانے کی اجازت مانگے تو اسے ہرگز منع نہ کرو۔

[بخاری، الاذان، باب استئذان المراۃ زوجھا بالخروج الی المسجد ح:۸۷۳ و مسلم: الصلاۃ، باب خروج النساء الی المساجد اذا لم یترتب علیہ فتنۃ، ح:۴۴۲]

اس سے معلوم ہوا کہ خواتین کے لئے نماز پڑھنے کا ہر ممکن انتظام ہونا چاہئے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم اپنی عورتوں (نماز پڑھنے کے لئے) مسجد میں آنے سے منع نہ کرو، اگرچہ ان کے گھر ان کے لئے بہتر ہیں

(ابوداود، الصلاۃ، باب فی خروج النساء الی المسجد، ح:۵۶۷، امام حاکم (۲۰۹/۱) امام ابن خزیمہ: ح ۱۶۸۴، اور امام ذہبی نے سے صحیح کہا ہے)

نماز جنازہ میں خواتین کی شرکت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات نے پیغام بھیجا کہ ان کا جنازہ مسجد میں لائیں (تاکہ) وہ بھی ان کی نماز جنازہ پڑھ لیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

(مسلم، کتاب الجنائز، باب الصلاۃ علی الجنازہ فی المسجد، ح:۹۷۳)

عورتوں کا گھر میں اعتکاف؟

آیت کریمہ ﴿وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ﴾ (سورہ بقرہ:۱۸۷)

سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف مسجد میں مشروع ہے۔

”عن عائشة رضی الله عنها أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللَّهُ، ثُمَّ اعْتَكَفَ أَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهِ“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے آپ کو فوت فرمادیا، پھر آپ کے بعد آپ کی بیویوں نے اعتکاف کیا۔

[صحیح بخاری، کتاب الاعتکاف، باب الاعتکاف فی العشر الاواخر، ح: ۲۰۲۶۔ وصحیح مسلم: کتاب الاعتکاف، باب اعتکاف العشر الاوخر من رمضان]

عورتوں کا گھروں میں اعتکاف کرنا کسی حدیث یا آثار صحابہ وتابعین سے ثابت نہیں ہے لہذا راجح یہی ہے کہ عورتیں اپنے گھروں میں اعتکاف نہ کریں۔

رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرنا سنت ہے۔ خواتین بھی اعتکاف میں بیٹھ سکتی ہیں لیکن اعتکاف کی جگہ مسجد ہے، گھر نہیں، اس لئے اگر کسی مسجد میں ایسا انتظام ہے کہ وہاں عورتیں مردوں سے بالکل الگ تھلگ اور پورے تحفظ کے ساتھ اعتکاف بیٹھ سکتی ہیں۔

تو وہاں وہ اعتکاف بیٹھ جائیں لیکن جہاں ایسا معقول انتظام نہ ہو تو پھر اپنی عصمت کو خطرے میں ڈال کر عورت کا مسجد میں اعتکاف بیٹھنا جائز نہیں۔ اعتکاف نفلی عبادت ہے اور عصمت کا تحفظ فرض ہے نفل کے شوق میں فرض سے غفلت صحیح نہیں۔

دعوت

حسب استطاعت قرآن وحدیث کا علم حاصل کرنا اور پھر اسے آگے پہنچانا ہر مسلمان پر لازم ہے، امام کائنات ﷺ نے فرمایا: ’’بلغوا عنی و لو آیة‘‘ مجھ سے دین لے کر لوگوں تک پہنچادو اگرچہ ایک ہی آیت ہی ہو۔ (صحیح بخاری: ۱/۴۹۱ ح ۳۴۶۱)

دعوت صرف قرآن اور صحیح احادیث کی دینی چاہیئے، اپنے فرقہ وارانہ مذاہب اور قصے کہانیوں کی دعوت دینا حرام ہے۔ داعی کے لئے ضروری ہے کہ اپنی ہر بات پر دلیل بھی پیش کرے تاکہ جو زندہ رہے وہ دلیل دیکھ کر زندہ رہے اور جو مرے دلیل دیکھ کر مرے۔

﴿لِیَهْلِکَ مَنْ هَلَکَ عَنْ بَیِّنَةٍ وَیَحْیَی مَنْ حَیَّ عَنْ بَیِّنَةٍ﴾ (الانفال: ۴۲)

جہاد

دعوت دین کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ میں صحیح العقیدہ لوگوں کی ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو نیکی کا حکم کریں اور برائی سے منع کریں اور جو لوگ اس راستہ میں رکاوٹ ان سے زبانی، قلمی اور جسمانی جہاد کریں۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے قتال فی سبیل اللہ سے بالکل دریغ نہ کریں تاکہ ساری دنیا میں کتاب وسنت کا پرچم سربلند ہوجائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’وَاعْلَمُوا أَنَّ الجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوفِ‘‘ اور جان لو بے شک جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔ (صحیح بخاری: ۱/۴۲۵ ح ۳۰۲۴، صحیح مسلم: ۲/ ۸۴ ح ۲۰/ ۱۷۴۲)

تنبیہ: علمائے کرام کو چاہیے کہ مجاہدین کے خلاف میڈیا (جن پر یہود ونصاریٰ قابض ہیں) پر نشر ہونے والی غلط خبروں سے متاثر ہو کر فتویٰ بازی سے اجتناب کریں۔

مزید تفصیل کے لئے شیخ الاسلام المجاہد عبداللہ بن المبارک المروزی کی ’’کتاب الجهاد‘‘ وغیرہ کا مطالعہ فرمائیں

وما علینا الا البلاغ

فہرست

- مقدمہ ۳
- عقیدہ ۵
- اصول ۶
- محدثین کا مسلک ۷
- اہل حدیث کی فضیلت ۸
- صحیحین کا مقام ۹
- تقلید ۱۰
- نیت کا مسئلہ ۱۳
- طریقۂ تیمّم ۱۳
- اوقات نماز ۱۴
- وضو کے بعد چھینٹے مارنا ۱۵
- صفیں درست کرنا فرض ہے ۱۶
- نماز ۱۹
- ننگے سر نماز پڑھنے کا مسئلہ ۲۰
- نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا ۲۲
- فاتحہ خلف الامام ۲۲
- آمین بالجہر ۲۵
- رفع یدین ۲۶
- رکوع میں والے کی رکعت ۳۰
- رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ہاتھوں کو باندھنا ۳۴
- قنوت نازلہ کا بیان ۴۲
- پہلے تشہد کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنا ۴۵
- مسئلہ رفع سبابہ ۴۵
- سجدہ سہو ۵۱
- تمہاری نماز نہیں ہوئی! ۵۱
- فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا ۵۳
- فرض نماز کے بعد ماتھے پر ہاتھ رکھنا ۵۳
- نماز مغرب سے پہلے دو رکعتیں ۵۵

- فجر کی ں کی قضا ۵۸
- کیا مغرب کے بعد صلاۃ الاوابین ہے؟ ۵۹
- نماز وتر ۶۰
- وتر کی قضا ۶۱
- کتنے کی مسافت کی دوری پر نماز قصر ہوگی؟ ۶۲
- ایک جگہ کب تک قصر ہو سکتی ہے؟ ۶۲
- جمع بین الصلاتین ۶۳
- تکبیرات عیدین ۶۴
- عیدین کی نماز میں رفع یدین ۶۵
- نومولود کے کان میں اذان کہنا ۶۷
- تحنیک کا حکم ۷۱
- نماز جنازہ کا طریقہ ۷۱
- نماز جنازہ میں رفع یدین ۷۷
- قیام رمضان (تراویح) ۸۱
- جمعہ کس کو حاصل ہوگا؟ ۹۰
- عورت کی امامت ۹۰
- عورتوں اور مردوں کی نماز میں کوئی فرق نہیں؟ ۹۱
- عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت ۹۱
- نماز جنازہ میں خواتین کی شرکت ۹۲
- عورتوں کا گھر میں اعتکاف ۹۲
- دعوت ۹۳
- جہاد ۹۴

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارا خاتمہ قرآن وحدیث اور سلف صالحین کی محبت میں کرے، اور دنیا وآخرت میں ہر طرح کی رسوائی سے بچائے۔ آمین